میزانِ عدل

عبدالواحد قاسمی، اریاوی دارالعلوم محمدیہ بنگلور

انسانی فطرت ظلم وناانصافی سے نفرت کرتی ہے، قانونِ الٰہی ناحق کی زیادتیوں کو ہرگز جائز نہیں سمجھتا، اور دنیا یہ تسلیم کرتی ہے کہ ظلم وستم اور حقوق تلفی بری چیز ہے، خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھنے والے کے خلاف کی جائے..... لیکن افسوس! صد افسوس!! کہ آج حکومت کی سطح سے لیکر عوام الناس تک ہر فرد جس افراتفری کا شکار ہے، ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے خلاف، ایک پارٹی دوسری پارٹی کے مقابل جس طرح نبرد آزما ہے اور ایک قوم دوسری قوم کے خلاف جس طرح زیادتیوں کو روا رکھے ہوئے ہے اور انسانیت کی عظمت وتقدس کو پامال کر رہا ہے، ان کو دیکھ کر یہی محسوس ہوتا ہے کہ اب دنیا کو عدل وانصاف کی کوئی ضرورت نہیں، تہذیب وتمدن سے کوئی واسطہ نہیں، انسانیت وشرافت سے کوئی تعلق نہیں اور روحانیت واخلاق سے کوئی لگاؤ نہیں، بس! خونخواری، سفاکی، درندگی فحاشی، تخریب کاری اور حقوق تلفی، یہی زندگی کا نصب العین ہے اور یہی معیارِ شرافت ہے۔ ان خراب عناصر نے پوری نوع انسانی اور ان کی صاف وستھری زندگی کو غلط رخ پر ڈال دیا ہے، حالات کے اس رو میں بہنے والے بزرگ بوڑھے بھی ہیں اور کڑیل جوان بھی، عصمت مآب دوشیزہ بھی ہیں اور معصوم بچے بھی، اس سے متاثر مسلمان بھی ہیں اور غیر مسلم بھی، اس محور میں حکومتیں بھی گھوم رہی ہیں اور عوام بھی..... تاہم میں سمجھتا ہوں کہ اگر کسی مشین میں خرابی آجائے تو اسے ٹھیک کر دینے، اس کی چولیں اپنی جگہ بٹھا دینے سے وہ پہلے ہی کی طرح کام کرنے لگتی ہے، انسان اس فانی دنیا کا مرکز ہے ساری چیزیں اس کے گرد گھوم رہی ہیں وہ اگر اپنی حقیقت کو پہچان جائے، ضمیر بیدار

ہو حِس بر قرار ہو وار اس کی فطرت اپنی ڈگر پر ہو، دل و دماغ، خود غرضی، تکبر اور تعصبات سے عاری ہو تو ظلم کیا، بُرائی کیا، حقوق تلفی کیا، انسان اس کے تصور سے بھی کانپنے لگے گا اور ان کو یہ اعمالِ قبیح کرتے وقت ایسا محسوس ہوگا کہ کائنات کا مقتدرِ اعلیٰ، جہانِ فانی کا حاکم مطلق، رب کائنات کی نگاہیں ہمیں دیکھ رہی ہیں اور ان کے فرشتے جہنم کو لئے ہوئے کھڑے ہیں اور تمام تر ہولناکیوں کے ساتھ ہم پر انڈیل دینا چاہتے ہیں...... اور یہ کب ہوگا؟ جب خلافتِ الٰہی قائم ہو، انصاف پروری باقی ہو، دستور کا پاس ولحاظ ہو اور میزانِ عدل قائم ہو۔ کیونکہ میزانِ عدل سے ذرا بھی بے توجہی حق وانصاف کا گلا گھونٹ دیتی ہے، ظلم زیادتی عام ہو جاتی ہے، غریبوں اور بے اثر لوگوں کے حقوق مارے جاتے ہیں، حلال وحرام کی پہچان ختم ہو جاتی ہے، ہزارہا قتل ہوتے ہیں، ڈاکے پڑتے ہیں اور ناقابلِ اصلاح مفاسد کا لامتناہی سلسلہ چل پڑتا ہے، مظلوم کی فریاد سالہا سال حل نہیں ہو پاتی، لوگوں کے نجی مقدمات اس قدر طویل مدت اختیار کر لیتے ہیں کہ اصل نقصان سے بھی زیادہ خرچ مظلوم کا ہو جاتا ہے، اگر اس کے پاس مزید رقم نہیں تو وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کا حق نہیں رکھتا، ایسی صورت میں مظلوم کا بچا کھچا مال بھی عدالت کی نذر ہو جاتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عدل وانصاف کی ساری امیدیں مادیات کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہیں، لمبی مدت تک ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی انصاف نہیں ملتا، آخر ظالموں کی جیت ہوتی ہے، حق بولنے والے جیل میں ہوتے ہیں اور مجرم دندناتے پھرتے ہیں۔

اس وقت جو دنیا پریشان ہے، انسانیت چیخ رہی ہے، کراہ رہی ہے، حیات نو کی تلاش میں ٹھوکریں کھا رہی ہے، جرائم ہواؤں کی رفتار سے بڑھ رہے ہیں، بدامنی کا دور دورہ ہے اور اخلاق وانسانیت کی رسوائی ہے وہ محض اس لئے کہ اس نے اشرف المخلوقات کی عظمت وشرافت کو اپنے من مانے اصول کے ذریعہ پامال کر دیا، نظام زندگی کا دوہرا معیار اور دستور حیات کے دو رخ پیش کئے، دکھانے کے لئے اور، برتنے کے لئے اور، غریبوں کے لئے

کچھ، امیروں کے لئے کچھ، دنیا میں جب تک یہ ذہنیت پائی جاتی ہے، امن وسکون کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

آج کہنے کو تو دنیا کی ہر حکومت اور ہر قوم خود کو عدل وانصاف، مساوات، برابری اور نیک حکمرانی کی دعویدار بتاتی ہے اور اس کے متعلق وسیع پیمانے پر بحث ومباحثہ کرتی ہے اور خود کو حقوق انسانی کی علمبردار کہتی ہے۔ لیکن آپ جب ان کو عملی تناظر میں دیکھیں گے تو سارے دعوے غلط اور ساری بحثیں بے بنیاد نظر آئیں گی۔ ...رومن لا صدیوں چلا، وہاں کھرے بے لاگ انسان کی کون سی مثال قائم ہوئی؟ آج ہندوستان میں ہندو لا بنام جمہوریت چل رہا ہے، برہمنوں کی مرضی کے مقابلے میں کس نے دودھ کو دودھ اور پانی کو پانی کیا؟ ذرا غور کریں کہ اس وقت لوگ محافظ رکھ کر، گھر کے دروازے بند کر کے، حویلیوں اور کوٹھیوں میں نگہبان اور ہتھیار رکھ کر کیوں سوتے ہیں؟ اور کھڑکیوں کو موٹی موٹی سلاخیں کیوں لگاتے ہیں؟..... کہ کہیں چور اور ڈاکو نہ آجائے اور کہیں عصمتوں کا لٹیرا نہ آجائے اور لمحوں میں ہماری زندگی کو مفلوج یا تباہ وتاراج کردے۔ یہ اس لئے کہ عدالت اپنی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہ ہے، حق گوئی وبے باکی معدوم ہو رہی ہے، قانون کے لمبے ہاتھ شل ہوگئے ہیں اور انصاف پروری تاریخ کا ایک حصہ بن کر رہ گئی ہے۔

اس کے بالمقابل اسلام اور مسلمانوں نے میزانِ عدل، مساوات اور سچی جمہوریت کا جو واضح دستور پیش کیا ہے وہ آج کی جعلی جمہوریت کے لئے یقیناً لائقِ تقلید اور نمونۂ عمل ہے۔ قرآن پاک کہتا ہے:

"بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچادیا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو" (۴/۵۸)

"اے ایمان والو! اللہ کے واسطے استقامت کے ساتھ انصاف کی طرف داری کرنے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی (کا خطرہ) تم سے زیادتی نہ کرادے، انصاف کو نہ چھوڑو کہ وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ کو تمہارے سب اعمال کی خبر

ہے۔"(۵/۸)

آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کرنے کا(۲۹/۷)اور ہماری مخلوق جن وانس میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے مطابق ہدایت کرتی ہے اور حق کے مطابق انصاف کرتی ہے۔"(۱۸۱/۷)

حضور ﷺ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ بنو مخزوم کی ایک بلند مرتبہ عورت نے چوری کی، قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگوں کی یہ خواہش تھی کہ ملزمہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے، لوگوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سفارش کے لئے تیار کیا، انہوں نے آنحضرتؐ سے معافی کی درخواست کی، آپ نے غضب آلود ہوکر فرمایا کہ "بنی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ ہوئے، وہ غریبوں کو تو سزا دیتے تھے اور امیروں کو بخش دیتے تھے، خدا کی قسم !اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔"

وہ دیکھیں دستور اسلام کی عملی تصویر، خلافت اسلامی کا دور لوگ اپنے گھروں کے دروازے کھول کر مال ودولت کھلے عام رکھے ہوئے ہیں، عورت ومرد رات کی تاریکی میں سفر کر رہے ہیں، نہ خوف ہے نہ ڈر، نہ چوری ہے نہ بدکاری، نہ رشوت ہے اور نہ بیجا زندگی کے مسائل، ہر لمحہ سکون ہی سکون، اگر کوئی نظام زندگی میں گندگی کا ارتکاب کرتا ہے تو اسلامی عدالت اسے عبرتناک سزا دیتی ہے، عدالت کے اس فیصلہ میں نہ اپنوں اور غیروں کی کوئی تفریق ہے، نہ غربت وامارت کا کوئی امتیاز اور نہ جاہ وحشمت کا خیال۔

خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ کے صاحبزادہ حضرت عاصم کا ایک مقدمہ عدالت میں پیش ہوتا ہے، اسلامی کورٹ اس کی لغزش میں سو درّے سزا مقرر کرتی ہے اور حضرت عمر فاروقؓ اپنے ہاتھوں سے اپنے فرزند کو سزا دیتے ہیں، یہاں تک کہ سزا پوری ہونے سے قبل صاحبزادہ کا انتقال ہوجاتا ہے، پھر بھی آپ سزا پوری کرتے ہیں۔

دوسری مثال: ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک بوڑھے سائل کو دیکھا جو کسی

دروازے پر کھڑا سوال کر رہا تھا، آپ نے اس سے پوچھا آخر تجھے اس حالت پر آنے کے لئے کس چیز نے مجبور کیا؟ اس نے کہا میں جزیہ ادا کرنے اور کبر سنی میں اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے ایسا کر رہا ہوں، آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر لے آئے اور اس وقت کی ضرورت پوری کر دی، اس کے بعد بیت المال کے خازن کو لکھا۔ ذرا اس شخص کی حالت اور اس کے ٹیکس پر غور کرو، خدا کی قسم ہم نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے، کیونکہ ہم نے اس کی جوانی کو تو کھالیا اور بڑھاپے میں رسوا کرنے کے لئے چھوڑ دیا، ارے! یہ تو اہل کتاب کے مساکین ہیں۔ اس لئے اس پر سے جزیہ اور ٹیکس اٹھالیا۔

تیسری مثال: جبلہ بن ایہم جو غسان کا شہزادہ تھا، اسلام لا چکا تھا، اتفاق سے دوران طواف ایک معمولی مسلمان کے پاؤں تلے اس کی چادر دب گئی جس سے برہم ہو کر اس غریب کو طمانچہ مار دیا، خلیفۂ وقت کے پاس مقدمہ پہنچا، خلیفہ نے اسلامی قانون کے مطابق حکم دیا کہ اس کو بھی وہی طمانچہ مارا جائے۔ جبلہ شہزادہ تھا وہ یہ سمجھ رہا تھا کہاں میں؟ اور کہاں یہ غریب معمولی انسان؟ اس لئے وہ وہاں سے نکل گیا، بعض روایت میں ہے کہ وہ مرتد ہو کر بھاگ گیا، یہ سب کچھ ہو گیا مگر فیصلہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

آپ دور مت جائیے اپنے ملک ہندوستان کے مسلم سلاطین کے عہد پر نظر ڈالئے کہ انہوں نے حکومت وسیاست اور عدالت وامارت کا کیسا انوکھا انداز پیش کیا: شاہ اکبر کے فرزند کبیر جہانگیر کے بارے میں آتا ہے، اس کی بیوی نے ایک بار غلطی سے ایک ہندو دھوبی کو مار ڈالا اور اس کے ورثاء نے جہانگیر کے دربار میں استغاثہ پیش کیا تو جہانگیر (جو اپنی بیوی نور جہاں کو عشق کی حد تک چاہتا تھا) نے نور جہاں کو قصاصاً قتل کرنے کا فرمان جاری کر دیا۔ لیکن مقتول کے ورثاء نے خون بہا لیکر نور جہاں بیگم کو معاف کر دیا۔ جب ان کی جان بچ گئی تو جہانگیر نے نور جہاں کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

"تو اگر کشتہ شدی آہ، چہ می کردم من"

(اقبال نامہ جہانگیری)

یعنی اگر تو ہلاک جاتی تو میں خود زندہ رہ کر کیا کرتا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان بادشاہوں کے نزدیک رعایا کی کس قدر عزت تھی کہ ایک معمولی دھوبی اور اچھوت کے مقابلے میں اپنی محبوب ترین ملکہ اور خود کو فنا کر دینے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔

ظہیر الدین بابر نے اپنے بیٹے ہمایوں کو جانشینی کے وقت جو وصیت کی تھی اس سے بھی اسلام کی خصوصیت کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے انہوں نے وصیت کی کہ:

''مذہبی تعصب کو اپنے دل میں جگہ مت دو اور لوگوں کے مذہبی جذبات اور مذہبی رسوم کا خیال کرتے ہوئے کسی رعایت کے بغیر قوموں کے ساتھ پورا انصاف کرو، گاؤکشی سے خاص طور پر پرہیز کرو تاکہ اس کے ذریعہ تمہیں لوگوں کے دلوں میں جگہ ملے اور وہ دل سے تمہاری اطاعت کریں اور ملک میں امن وامن قائم رہے، تمہیں کسی قوم کی عبادت گاہ مسمار نہیں کرنا چاہئے اور ہمیشہ سب کے ساتھ پورا انصاف کرنا چاہئے، شیعہ سنی اختلافات کو ہمیشہ نظر انداز رکھو، کیونکہ اس سے اسلام کمزور ہو جائے گا، اسلام کی اشاعت ظلم وستم کی تلوار کے مقابلے میں لطف واحسان کے تلوار سے زیادہ بہتر طور پر ہو سکے گی۔ (چشمۂ کوثر ۲۵۸)

یہ اور اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں جس سے اسلام کی بے مثال عدالت کا پتہ چلتا ہے، جس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ کاش! دنیا انصاف کرتی تو معلوم ہوتا کہ اسلام نے دنیا کو کیا دیا تھا اور انسانیت کو کیا دیا تھا؟

الغرض یہ کہ قانونِ عدل ہی پر جماعت اور حکومت کا نظام قائم ہو سکتا ہے، اگر اس کو مٹا دیا جائے تو جماعت اور حکومت کا شیرازہ بکھر جائے گا اور کسی کی جان ومال وآبرو سلامت نہ رہے گی۔

سبق پھر پڑھ عدالت کا سخاوت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

• •